

غدير کے با شکوہ اجتماع کا مقصد

<"xml encoding="UTF-8?">



گزشتہ بحثوں سے اچھی طرح واضح اور ثابت ہو گیا کہ غدير کا واقعہ قطعی اور یقینی طور پر ایک تاریخی واقعہ ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا بدیہی امور میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ اسلامی احادیث میں شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو جو متواتر اور قطعی ہونے کے لحاظ سے اس حدیث کی برابری کر سکے۔ اس لئے ہم اس کی سند کے بارے میں مزید بحث و گفتگو نہیں کریں گے بلکہ اب اس کے مفاد و مفہوم کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس حدیث کو سمجھنے کی کنجی یہ ہے کہ جملہ ”من كنت مولاه فعلى مولاه“ میں وارد شدہ لفظ ”مولی“ کو سمجھ لیں اس لفظ کے معنی کو سمجھنے کے بعد قدرتی طور پر حدیث کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ سب سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں لفظ ”مولی“، ”اولی“ اور ”ولی“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسے:

تو آج (قیامت کے دن) نہ تم سے کوئی فدیہ یا عوض لیا جائے گا اور نہ کفار سے، تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے وہی تم سب کا صاحب اختیار (مولا) ہے اور تمہارا بدترین انجام ہے۔

اسلام کے بڑے اور نامور مفسرین اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں کہتے ہیں :

اس آیت میں ”مولی“ کا لفظ ”اولی“ کے معنی میں ہے، کیونکہ یہ افراد، جو ناشائستہ اور برے اعمال کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان کے لئے ان اعمال کے عوض جہنم کی آگ کے سوا کوئی اور چیز سزاوار نہیں ہے (1)

2. (يَدْعُوا لِمَنْ صَرَّهٖ اَقْرَبُ مِنْ تَفْعِهٖ لِبَيْسِ الْمَوْلٰى وَ لِبَيْسِ الْعَشِيْرِ)

”یہ اس بت کو پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ قریب تر ہے وہ اس کا بدترین سرپرست (ولی

(اور بدترین ساتھی ہے ۔ (2)

یہ آیہ شریفہ اپنے مضمون اور گزشتہ آیات کے قرینہ کی روشنی میں مشرکوں اور بت پرستوں کے عمل سے متعلق ہے کہ وہ بتوں کو اپنا صاحب اختیار (ولی) جانتے تھے اور اسے اپنے سرپرست (ولی) کی حیثیت سے مانتے تھے اور ” ولی “ کی حیثیت سے ہی ان کو پکارتے تھے۔

ان دو آیتوں اور اسی طرح دوسری آیات ۔ جن کے ذکر سے ہم صرف نظر کرتے ہیں ۔ سے اجمالی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ ” مولی “ کے معنی وہی ” اولی “ اور ” ولی “ کے ہیں ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جملہ ” من کنت مولاه فہذا علی مولاه “ کا مقصد کیا ہے ؟ کیا اس کا مقصد وہی نفوس پر تصرف رکھنے میں اولی ہونا ہے جس کا لازمہ کسی شخص کا انسان پر ولایت مطلقہ رکھنا ہے یا حدیث کا مفہوم کچھ اور ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے تصور کیا ہے کہ حدیث غدیر میں ” مولی “ دوست اور ناصر کے معنی میں ہے۔

بے شمار قرائن اس کے گواہ ہیں کہ ” مولی “ سے مراد وہی پہلا معنی ہے جسے علماء اور دانشوروں نے ولایت مطلقہ سے تعبیر کیا ہے اور قرآن مجید نے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے:

(النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ) (3)

بیشک نبی تمام مؤمنین سے ان کے نفوس کی نسبت زیادہ اولی ہے۔

اگر کوئی شخص (تسلط اور تصرف کے لحاظ سے) کسی کی جان پر خود اس سے زیادہ شائستہ و سزاوار ہو تو وہ قدرتی طور پر اس کے مال پر بھی اختیار رکھتا ہوگا۔ اور جو شخص کسی انسان کی جان و مال پر اولی بالتصرف ہو ، وہ اس کے بارے میں ولایت مطلقہ رکھتا ہے۔

اس بنا پر انسان کو اس (ولی) اس کے تمام احکام کی موہمو اطاعت کرنی چاہئے اور جس چیز سے وہ منع کرے اس سے باز رہنا چاہئے۔

یہ عہدہ اور منصب ، خدا کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیا گیا تھا ۔ آپ خود ذاتی طور پر ہرگز اس منصب و مقام کے حامل نہیں تھے۔

واضح تر الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ یہ خدائے تعالیٰ ہے جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لوگوں کی جان و مال پر مسلط فرمایا ہے ۔ آپ کو ہر قسم کے امر و نہی کے اختیارات دئے ہیں اور آپ کے احکام و اوامر کی مخالفت کو خدا کے احکام کی مخالفت جانا ہے ۔

چونکہ قطعی اور یقینی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس حدیث میں ” مولی “ کے معنی وہی ہیں جو آیہ شریفہ میں ” اولی “ کے ہیں ، لہذا قدرتی طور پر امیر المؤمنین حضرت علی (ع) اسی منصب و مقام کے حامل ہوئے جس کے آیہ شریفہ کی نص کے مطابق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے ، یعنی اپنے زمانے میں امت کے پیشوا اور معاشرے کے رہبر اور لوگوں کی جان و مال پر اولی و بالتصرف کا اختیار رکھنے والے اور امامت کا یہی وہ عظیم اور بلند مرتبہ ہے جسے ولایت الہیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے (یعنی وہ ولایت جو خدا کی طرف سے بعض خاص افراد کو وسیع پیمانے پر عطا ہوتی ہے)

اب ہم وہ قرائن و شواہد بیان کرتے ہیں جن سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث میں لفظ ” مولی “ کے معنی تمام امور میں (اولی بالتصرف) اور صاحب اختیار ہونے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

ذیل میں ایسے چند شواہد ملاحظہ ہوں:

فقال له قم يا علي فاني

رضیتک من بعدی اماماً و ہادیا

یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی (ع) کی طرف رخ کر کے ان سے فرمایا: اٹھو کہ میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا امام و ہادی مقرر کر دیا ہے ” واضح رہے کہ حسان نے پیغمبر کے کلام میں موجود لفظ ”مولیٰ“ سے امت کی امامت ، پیشوائی اور ہدایت کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں لئے ہیں (4)

صرف حسان ہی لفظ ”مولیٰ“ سے یہ نہیں سمجھے ، بلکہ اس کے بعد بھی اسلام کے عظیم شعرا — جن میں سے اکثر اعلیٰ درجے کے شعرا اور بعض عربی زبان کے استاد شمار ہوتے تھے — نے بھی اس لفظ سے وہی معنی لئے ہیں جو حسان نے سمجھے تھے ، یعنی امت کی امامت و پیشوائی۔

و اوجب لی ولایتہ علیکم

رسول اللہ یوم غدیر خم

” رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میری ولایت کو تم لوگوں پر غدیر کے دن واجب فرمایا ہے “ علی(ع) سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو ہمارے لئے حدیث کے حقیقی مفہوم کو واضح کر سکے ؟ جبکہ شیعہ و سنی آپ(ع) کے علم ، امانتداری اور تقویٰ کے سلسلے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت (ع) حدیث غدیر سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” پیغمبر خدا نے غدیر کے دن میری ولایت کو تم لوگوں پر واجب فرمایا “

کیا اس وضاحت سے یہ مطلب نہیں نکلتا ہے کہ غدیر کے دن حاضر تمام لوگوں نے آنحضرت (ع) کے بیانات سے دینی سرپرستی اور معاشرے کی رہبری کے علاوہ کوئی اور مفہوم نہیں سمجھا تھا؟ خود حدیث میں ایسے قرائن موجود ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے اس جملہ کا وہی مطلب ، یعنی حضرت علی(ع) کا ” اولی بالتصرف “ و صاحب اختیار ہونا ہے ۔ کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جملہ ” من کنت مولاه “ فرمانے سے پہلے یوں فرمایا تھا :

”الست اولی بکم من انفسکم“

کیا میں تم لوگوں پر تمہارے نفوس سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہوں ؟ اس جملہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ” اولی بکم من انفسکم “ سے استفادہ فرمایا ہے اور اپنے آپ کو تمام لوگوں پر ان کے نفوس سے زیادہ صاحب اختیار بتایا ہے ۔

اس کے فوراً بعد فرماتے ہیں : ” من کنت مولاه فهذا علی مولاه “

ان دو جملوں کی ترتیب سے ذکر کئے جانے کا مقصد کیا ہے ؟ کیا اس سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ علی(ع) بھی میری طرح لوگوں کے نفوس پر صاحب اختیار ہے جسے آپ نے پہلے اپنے لئے ثابت فرمایا اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ : ” اے لوگو! وہی منصب و مقام جس کا میں حامل ہوں ، علی(ع) بھی اسی منصب کے حامل ہیں “ اگر پیغمبر کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا تو اپنی اولویت کے بارے میں پہلے لوگوں سے اقرار لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

”اَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ اَنَّ لَإِلَهِ إِلَّا اللَّهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ وَ اَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَ النَّارُ حَقٌّ“

یعنی ، کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے ، محمد اس کا بندہ اور رسول ہے اور بہشت و جہنم حق ہیں۔

یہ اقرار لینے کا مقصد کیا ہے ؟ کیا اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ پیغمبر اسلام لوگوں کے ذہنوں کو اس پر آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ علی کے بارے میں جس منصب کا اعلان کرنے والے ہیں وہ انہی اصولوں کے مانند اہم ہے ، اور لوگ جان لیں کہ آپ کی ولایت و خلافت کا اقرار اسلام کے مذکورہ تین اصول کے مانند ہے جس کا سب نے اقرار و اعتراف کیا ہے ؟ اگر ”مولیٰ“ کا مقصد دوست اور مددگار لیا جائے تو اس صورت میں جملوں کا سلسلہ ہی ٹوٹ جاتا ہے اور پیغمبر کے کلام کی بلاغت و پائنداری ختم ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ منصب ولایت سے الگ ہٹ کر حضرت علی (ع) خود ایسے عظیم مسلمان تھے جنہوں نے ایسے معاشرہ میں پرورش پائی تھی جہاں پر تمام مؤمنوں سے دوستی کی ضرورت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی چہ جائیکہ علی (ع) جیسے مؤمن سے دوستی جسے پیغمبر اس اہتمام و شأْن کے ساتھ ایک بڑے اجتماع میں اعلان فرماتے ! اور اس صورت میں یہ امر اتنا اہم بھی نہیں تھا کہ اسلام کے تین بنیادی اصولوں کے برابر قرار پاتا ۔

”انہ یوشک ان ادعی فاجیب“

” قریب ہے کہ میں دعوت حق کو لبیک کہوں“

یہ جملہ اس امر کی حکایت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی رحلت کے بعد کے لئے کوئی اہتمام و اقدام کرنا چاہتے تھے تا کہ اپنے بعد پیدا ہونے والے خلاً کو پر کریں۔ اور بلاشبہ واضح ہے کہ جو چیز اس خلاً کو پر کر سکتی تھی وہ صرف حضرت علی (ع) کی خلافت و امامت تھی کہ رسول خدا کی رحلت کے بعد امور کی باگ ڈور حضرت علی (ع) اپنے ہاتھ میں لیں ، نہ کہ علی (ع) کی محبت و دوستی یا ان کی نصرت و مدد !

اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمة و رضی الرب برسالتی و الولاية لعلی بن ابی طالب

میں خدا کی طرف سے تکمیل دین ، اتمام نعمت ، اپنی رسالت اور علی (ع) ابن ابیطالب کی ولایت پر تکبیر کہتا ہوں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ شیخین پہلے افراد تھے جنہوں نے امام (ع) سے کہا:

”هنيئاً لك يا علي بن ابی طالب اصبت و امسيت مولی كل مؤمن و مومنة“

” مبارک ہو آپ کو یہ منصب ، اے علی (ع)! کہ آپ ہر مومن زن و مرد کے مولیٰ ہو گئے“

حقیقت میں حضرت علی (ع) اس روز امت کی سرپرستی و رہبری کے علاوہ کسی اور منصب کے مالک نہیں بنے تھے جبھی وہ اس قسم کی مبارکباد کے مستحق قرار پائے اور اسی وجہ سے اس دن ایسے کی بے مثال تقریب اور ایسے عظیم اجتماع کا اہتمام کیا گیا ۔

کیا قرآن مجید نے مؤمن افراد کو ایک دوسرے کا بھائی نہیں پکارا ہے ؟ جیسا کہ فرمایا ہے :

(إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ) (5)

” با ایمان لوگ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں“

کیا قرآن مجید نے مؤمنوں کا تعارف ایک دوست کے دوسرے کی حیثیت سے نہیں کرایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے :

(وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ)

” با ایمان لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں“ (6)

علی(ع) بھی تو اسی با ایمان معاشرے کی ایک فرد تھے ، اس لئے اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الگ سے اور وہ بھی اس اہتمام کے ساتھ علی(ع) کی دوستی اور محبت کا اعلان فرماتے !!

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ ، کہ حدیث غدیر کا مقصد علی(ع) کی دوستی یا ان کی نصرت و مدد کو ضروری قرار دینا تھا اور پیغمبر کے خطبہ میں لفظ ”مولیٰ“ دوست یا ناصر کے معنی میں ہے ، در حقیقت تعصب پر مبنی ایک قسم کی غیر منصفانہ تفسیر اور بہت بچگانہ باتیں ہیں ۔ گزشتہ قرائن اور اس خطبہ کے اول سے آخر تک بغور مطالعہ کے بعد یہ ناقابل انکار حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خطبہ میں ”مولیٰ“ کا ایک ہی معنی ہے ، یعنی ” صاحب اختیار“ (اولی بالتصرف) ہونا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کا مقصد سیادت اور آقائی ہے اور مولیٰ ” سید “ کے معنی میں ہے تو اس سیادت کا مقصد وہ دینی والہی سیادت ہے جو امام کی اطاعت کو لوگوں پر واجب اور ضروری قرار دیتی ہے۔

1۔ (فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا وَأَكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَكُمْ وَ بئس المصير) 1۔ غدیر کے تاریخی واقعہ کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شاعر حسان بن ثابت حضور اکرم سے اجازت حاصل کرکے کھڑے ہوئے اور پیغمبر اکرم کے بیانات کے مضمون کو اشعار کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ۔ یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس فصیح ، بلیغ ، اور عربی زبان کے رموز سے واقف شخص نے لفظ ”مولیٰ“ کی جگہ پر امام و ہادی کا لفظ استعمال کیا ہے ، ملاحظہ ہو: 2۔ امیر المؤمنین(ع) نے معاویہ کو لکھے گئے اپنے چند اشعار میں حدیث غدیر کے بارے میں یوں فرمایا ہے: 4۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی تقریر کی ابتداء میں لوگوں سے اسلام کے تین اہم اصول (توحید، نبوت ، معاد) کے بارے میں اقرار لیتے ہوئے فرمایا: 5۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے خطبہ کے آغاز میں اپنی رحلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں : 6۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جملہ ”من کنت مولا ہ“ کے بعد یوں فرمایا: 7۔ اس سے واضح اور بہتر کیا گواہی ہوسکتی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منبر سے نیچے تشریف لانے کے بعد شیخین اور اصحاب رسول کی ایک بڑی جماعت نے حضرت علی(ع) کی خدمت میں مبارک باد پیش کی اور مبارک بادی کا یہ سلسلہ سورج ڈوبنے تک جاری رہا؟ 8۔ اگر مقصد صرف علی(ع) کی دوستی کا اعلان تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام ایسے موسم گرما میں حجاج کے ایک لاکھ کے مجمع کو رکوا کر اور لوگوں کو تپتی ریت پر بٹھا کر مفصل خطبہ بیان کرتے اور اس کے بعد اس مسئلہ کو پیش کرتے ۔

حوالہ جات

1۔ ای اولی لکم ما اسلفتم من الذنوب۔

2۔ حج / 13۔

3۔ احزاب 6

4۔ مناقب خوارزمی ص 80 وغیرہ۔

5۔ حجرات / 15

6۔ توبہ / 71